اسلام میں زکوۃ اور تملیکِ زکوۃ کی اہمیت

مولانا عتیق الرحمٰن لکھنوی

زکوۃ ایک اہم دینی فریضہ اورعبادت ہے۔اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے تیسرا بنیادی رکن ہے۔زکوۃ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن پاک کی ستائیس آیات میں ایک ساتھ نماز اور زکوۃ کا ذکر کیا گیا ہے۔زکوۃ تبرع اوراحسان نہیں ہے بلکہ مالی عبادت ہونے کے ساتھ یہ صاحب ثروت طبقہ کے مال میں حاجت مندوں کا سالانہ متعین حق ہے،اغنیاء کی ذمہ داری ہے کہ فقراء کا یہ متعین حق ان تک پہنچائیں،اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ زکوۃ کی وصولی اورتقسیم کا نظام قائم کر کے حق داروں تک یہ حق پہنچانا یقینی بنائے۔''اقامت صلوۃ،،کی طرح''ایتاء زکوۃ،،کواللہ تعالی نے اہل ایمان کی مخصوص علامت قراردیاہے اوردینی اخوت کا اس پر مدار رکھاہے،سورہ توبہ میں مشرکین کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

فان تابوا واقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ فخلوا سبیلھم ان اللہ غفور رحیم۔(توبہ۔۵) پھراگروہ توبہ کرلیں اورنماز پڑھنے اورزکوۃ دینے لگیں توان کی راہ چھوڑدو،بے شک خدا بخشنے والامہربان ہے۔چندآیات کے بعدارشادہے:**فان تابوا واقاموا الصلوۃ وآتوا الزکوۃ فاخوانکم فی الدین**۔(توبہ۔۱۱)اگریہ توبہ کرلیں اورنماز پڑھنے اورزکوۃ دینے لگیں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں۔اسلام میں زکوۃ کی اسی اہمیت کے پیش نظرخلیفہ رسول اوردین کے رمزشناس حضرت ابوبکرصدیقؓ نے مسلمانوں کے لئے انتہائی پرآشوب دورمیں منکرین زکوۃ کے خلاف جہاد کاحکم دیا،انہوں نے بالکل عہدنبوی کے طرز پرزکوۃ کااجتماعی نظم قائم کرنے پرزوردیتے ہوئے فرمایا:**واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوۃ والزکوۃ فان الزکوۃ حق المال واللہ لومنعونی عناقا کانوا یودونھا الرسول اللہ لقاتلتھم علی منعھا**(۱)۔خدا کی قسم میں ان لوگوں سے ضرورقتال کروں گا جونمازاورزکوۃ کے درمیان فرق کرتے ہیں،کیونکہ زکوۃ مال کا حق ہے،وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو جو کچھ ادا کرتے تھے اگران میں سے بکری کاایک بچہ روک لیں گے تومیں ان

سے قتال کروں گا۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لاالہ الااللہ وان محمدارسول اللہ ویقیموالصلوۃ ویوتواالزکوۃ فان فعلواذلک عصموامنی دماء ھم الابحق الاسلام وحسابھم علی اللہ (۲)** ۔مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں (کفار) سے قتال کروں، یہاں تک کہ اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں، زکوۃ دیں، جب انھوں نے اتنا کرلیا تو مجھ سے اپنا خون محفوظ کرلیا مگر اسلام کے حق کی وجہ سے اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔اسلام کی جو مختصر سے مختصر دعوت پیش کی جاتی تھی اس میں ادائیگی زکوۃ کی تعلیم ضرور شامل ہوتی تھی، رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کیا تو فرمایا: **افک تاتی قومامن اھل الکتاب فادعھم الی شھادۃان لاالہ الااللہ وانی رسول اللہ فان ھم اطاعوک لذلک فاعلمھم ان اللہ افترض علیھم خمس صلوات فی الیوم واللیلۃ فان ھم اطاعوک لذلک فاعلمھم ان اللہ افترض علیھم صدقۃ توخذمن اغنیاء ھم فتردعلی فقراء ھم فان ھم اطاعوک لذلک فایاک وکرائم اموالھم(۳)** ۔تم اہل کتاب قوم کے پاس جارہے ہو، انہیں اس بات کی شہادت دینے کی دعوت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک میں (محمد ﷺ) اللہ کا رسول ہوں، جب وہ لوگ یہ بات مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالی نے دن رات میں ان پر پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں، جب یہ بات مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالی نے ان پر صدقہ (زکوۃ) فرض کیا ہے جو ان کے اغنیاء سے لیا جائے گا اور ان کے فقراء کو واپس کیا جائے گا، اگر وہ لوگ یہ بات بھی مان لیں تو ان کے بہترین مال لینے سے بچو۔

جب کوئی انسان اپنی حلال کمائی سے زکوۃ نکالتا ہے تو فقراء اور محتاجوں کے ہاتھ میں جانے سے پہلے یہ مال اللہ تعالی کے ہاتھ میں پہنچتا ہے، اللہ تعالی اسے قبول فرماتے ہیں اور اسے غیر معمولی طور پر بڑھاتے رہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **ماتصدق احدبصدقۃ من طیب۔ولایقبل اللہ الاالطیب۔الااخذھاالرحمن بیمینہ وان کانت تمرۃفتربوفی کف الرحمن حتی تکون اعظم من الجبل، کمایربی احدکم فلوہ اوفصیلہ(٤)** ۔جب بھی کوئی شخص مال طیب سے صدقہ نکالتا ہے۔اور اللہ تعالی

☆ ثواب کا دارومدار نیت پر ہے ☆

تو مال طیب ہی قبول فرماتا ہے۔تو اللہ تعالی اپنے دائیں ہاتھ سے اسے لیتا ہے خواہ ایک کھجور ہی ہو، رحمٰن کی ہتھیلی میں یہ صدقہ بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ پہاڑ سے بڑا ہو جاتا ہے، جس طرح تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے یا اونٹ کے بچے کی پرورش کرتا ہے۔مشہور صحابی رسول، مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: **ماتصدق رجل بصدقة الاوقعت في يدالله قبل ان تقع في يدالسائل وهويضعهافي يدالسائل، ثم قراء عبدالله: "الم يعلموا ان الله هويقبل التوبة عن عباده وياخذالصدقات۔(۵)**

جب کوئی شخص کوئی صدقہ کرتا ہے تو سائل کے ہاتھ میں پہنچنے سے پہلے اس کا صدقہ اللہ کے ہاتھ میں جاتا ہے، حالانکہ وہ شخص سائل کے ہاتھ پر صدقہ رکھ رہا ہے، پھر حضرت عبداللہؓ نے یہ آیت پڑھی: کیا لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات لیتا ہے۔زکوۃ سماج میں سرمایہ کے انجماد کو روکتی ہے، اس کے ذریعہ ہر سال اصحاب ثروت کے سرمایہ کا معتد بہ حصہ اس محتاج اور نادار طبقہ تک پہنچتا ہے جو ضروریات زندگی تک سے محروم ہے اور فقر و فاقہ کے شکنجہ میں جکڑا ہوا ہے، زکوۃ غیر فطری معاشی ناہمواری کو دور کرتی ہے، زکوۃ دہندگان کے مال کو ناپسندیدہ ذرائع آمدنی کی آلائشوں سے اور ان کے دل و دماغ کو بخل، حرص، خود غرضی، استحصال جیسے نفسانی امراض سے پاک کرتی ہے۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **خذمن اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بهاوصل عليهم ان صلوتك سكن لهم والله سميع عليم** ۔ان کے مال میں سے زکوۃ قبول کرلو کہ اس سے تم ان کو (ظاہر میں بھی) پاک اور باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو، کہ تمھاری دعا ان کے لیے موجب تسکین ہے، اور خدا سننے والا جاننے والا ہے۔(توبہ۔۱۰۲) اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اصحاب ثروت طبقہ کی طرف سے زکوۃ کی کامل ادائیگی سماج کے محتاج اور نادار طبقہ میں مال داروں کے تئیں محبت اور احترام کے جذبات پیدا کرتی ہے، اس کی وجہ سے سماج کے ان دونوں طبقوں کے درمیان وہ کشمکش برپا نہیں ہوتی جس نے انسانی تاریخ میں بار بار ہولناک تباہیاں مچائی ہیں اور خوں ریز انقلابات کی راہ ہموار کی ہے۔مصارف زکوۃ اور قرآن: قرآن میں ادائیگی زکوۃ کا حکم تو بار بار دیا گیا لیکن اس کے تفصیلی احکام نہیں بیان کیے گئے۔(۱)

زکوۃ کن لوگوں پر واجب ہے، کن اموال میں واجب ہے، کس شرح سے واجب ہے، کس

مال میں زکوۃ کا کیا نصاب ہے ان تمام تفصیلات سے قرآن خالی ہے، یہ تمام تفصیلات رسول اکرم ﷺ کی احادیث سے معلوم ہوتی ہیں جو قرآن کے اجمالی احکام کی شرح وتفصیل ہیں لیکن اپنے عام طرز کے برخلاف قرآن کریم نے زکوۃ کے ایک پہلو کو بہت وضاحت اور قطعیت سے بیان کیا، سورۃ توبہ کی ایک کامل آیت مستحقین زکوۃ کے بیان کے لئے وقف ہے، سورہ توبہ کی آیت ۶۰ میں اللہ تعالی نے بڑی وضاحت اور حصر کے ساتھ ان لوگوں کا بیان کیا ہے جنہیں زکوۃ کا مال دیا جاسکتا ہے۔فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے زکوۃ کے دوسرے پہلوؤں سے صرف نظر کرتے ہوئے مصارف زکوۃ کے مسئلہ سے اس قدر اعتناء کیوں برتا اور اسے کیوں خصوصی اہمیت دی۔مصارف زکوۃ کو خصوصی اہمیت کے ساتھ بیان کرنے کی ایک وجہ خود سورہ توبہ کی آیت ۵۸ سے واضح ہوتی ہے، جب زکوۃ کا اجتماعی نظام قائم ہوا، زکوۃ کے طور پر مختلف اموال کی بڑی مقدار اسلامی حکومت کی نگرانی میں مستحقین زکوۃ پر تقسیم ہونے لگی تو منافقین کی حریصانہ نگاہیں اموال زکوۃ کی طرف اٹھنے لگیں، اور جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں ان کے حسب منشا زکوۃ کا مال نہیں دیا تو یہ حریصان مال وزر آپ کی ذات کو ہدف ملامت وتنقید بنانے لگے، تقسیم زکوۃ کے سلسلے میں آپ پر نکتہ چینی اور الزام تراشی ہونے لگی، رسول اکرم ﷺ کی ذات کو ان اوچھی تنقیدوں سے بچانے کے لیے اللہ تعالی نے زکوۃ کے مصارف کھول کھول کر بیان کردیے اور پابندی عائد کردی کہ زکوۃ بس انہیں مصارف میں صرف کی جاسکتی ہے ان سے باہر نہیں، اس طرح عیب چینوں کی زبان بندی ہوگئی کہ جب اللہ تعالی نے زکوۃ کے مصارف ازخود متعین فرمادیے، تقسیم زکوۃ کو رسول اکرم ﷺ کی صواب دید پر نہیں چھوڑا اور رسول اکرم ﷺ اللہ کی متعین کردہ حدود کے اندر زکوۃ تقسیم کررہے ہیں تو آپ ﷺ پر تنقید کا کیا جواز ہے۔اس تمہید کے بعد سورہ توبہ کی متعلقہ آیات کا مطالعہ کیجئے: **ومنهم من يلمزك في الصدقات فان اعطوا منها رضوا وان لم يعطوا منها اذا هم يسخطون ٥ ولو انهم رضوا ما آتهم الله ورسوله وقالوا حسبنا الله سيئوتينا الله من فضله ورسوله انا الى الله راغبون ٥ انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل فريضة من الله والله عليم حكيم**۔ اوران میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ (تقسیم) صدقات میں تم پر طعنہ زنی

کرتے ہیں، اگر ان کو اس میں سے (خاطر خواہ) مل جائے تو خوش رہیں اور اگر (اس قدر) نہ ملے تو جھٹ خفا ہو جائیں، اور اگر وہ اس پر خوش رہتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے ان کو دیا تھا اور کہتے کہ ہمیں خدا کافی ہے، اور خدا اپنے فضل سے اور اس کے پیغمبر (اپنی مہربانی سے) ہمیں پھر دے دیں گے اور ہمیں تو اللہ ہی کی رغبت وطلب ہے۔ صدقات (واجبہ) تو صرف غریبوں اور محتاجوں اور کارکنوں کا حق ہیں جو ان پر مقرر ہیں نیز ان کا جن کی دلجوئی منظور ہے اور (صدقات کو صرف کیا جائے) گردنوں (کے چھڑانے) میں اور قرض داروں (کے قرضہ ادا کرنے) میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی امداد) میں، یہ (سب) فرض ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ بڑا علم والا حکمت والا ہے۔ (توبہ/ ۵۸، ۵۹، ۶۰) سنن ابی داؤد میں حضرت زیادؓ بن حارث صدائی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر زکوۃ کے مال میں سے مانگا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''صدقات کی تقسیم اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا غیر نبی کے حوالہ نہیں کی، بلکہ خود اس کے آٹھ مصارف متعین فرمائے، اگر تم ان آٹھ میں داخل ہو تو تمھیں دے سکتا ہوں۔'' (۶)

مصارف کے بیان کی اور حکمت:

مصارف زکوۃ کو خصوصی اہمیت دینے کی ایک وجہ تو سورہ توبہ کی آیت ۵۸ کے حوالہ سے آپ کے سامنے آئی لیکن مصارف زکوۃ کے ساتھ قرآن کریم کا خصوصی اعتناء اس کے علاوہ بعض دوسری حکمتوں پر بھی مبنی ہے، مختلف اقوام وادیان کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام آسمانی وغیر آسمانی مذاہب میں کچھ نہ کچھ زکوۃ وصدقات کا سلسلہ رہا ہے، ہر مذہب نے سماج کے نادار طبقہ پر مال خرچ کرنے، ان کی کفالت کرنے پر زور دیا ہے اور ماضی کی اکثر حکومتوں نے غریبوں کی اعانت اور فلاح وبہبود کے نام پر باشندگان ملک سے بھاری ٹیکس وصول کیے ہیں لیکن ان صدقات اور ٹیکسوں کے مصارف پورے طور پر متعین نہ ہونے اور اس کے بارے میں خاصا اجمال پائے جانے کی وجہ سے ان صدقات اور ٹیکسوں کا بہت غلط استعمال ہوا ہے اور ان کی بہت قلیل مقدار اصلی ضرورت مندوں اور محتاجوں کو پہنچ سکی ہے، غریبوں کے نام پر اکٹھا ہونے والی بڑی بڑی رقمیں مختلف خوش نما ناموں اور عنوانوں سے سرمایہ دار طبقہ ہی کی جیب میں پہنچتی رہیں اور ''زررا، زری کشد''، کے اصول

کے تحت غریبوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈال کر سرمایہ داروں نے اپنی تجوریاں بھریں۔ اسلام نے چاہا کہ غریبوں کے حقوق کا یہ شرمناک استحصال بند ہو اس لیے اس نے قیامت تک کے لیے زکوۃ کے مصارف متعین کردیے اور مصارف زکوۃ میں کسی ادنی ردوبدل پر پابندی عائد کردی، اس کی بھی اجازت نہیں دی کہ مال دار طبقہ زکوۃ نکال کر اسے اپنی نگرانی میں رکھے اور غریبوں کی فلاح و بہبود کی مختلف اسکیموں میں لگائے یا حسب موقع غریبوں کے مفاد میں صرف کرے بلکہ اسلام نے لازم قرار دیا کہ اغنیاء زکوۃ نکال کر براہ راست یا بہ واسطہ حکومت مسلمہ فقراء کی ملکیت میں دے دیں اور اس مال سے اپنا ہر دخل اور کنٹرول ختم کرلیں، فقراء اپنے مفاد اور فلاح و بہبود سے زیادہ واقف ہیں وہ اپنی جس ضرورت میں چاہیں گے اور جس طرح چاہیں گے زکوۃ کا مال صرف کریں گے۔ یہاں پر یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہیے کہ کسی انسان کو کسی مال کا مالک بنانے اور اس مال کے ذریعہ اس کی ضرورت پورا کردینے میں زمین آسمان کا فرق ہے، مالک بنانے کی صورت میں اس مال کی نافعیت کا دائرہ بہت وسیع ہوجاتا ہے، انسان جس مال کا مالک بن گیا اس میں ہر طرح کا تصرف کرسکتا ہے، اسے اختیار ہے کہ مملوکہ مال کسی کے ہاتھ فروخت کرے یا ہدیہ کرے یا اسے اپنے ذاتی استعمال میں لائے اس کے برخلاف اگر آپ نے کسی غریب کے سامنے کھانا لاکر رکھ دیا اسے کھانے کا مالک نہیں بنایا بلکہ اسے اجازت دی کہ یہیں بیٹھ کر جتنا کھانا کھاسکتے ہو کھاؤ تو اس کھانے کی نافعیت کا دائرہ اس غریب کے حق میں بہت محدود ہوگیا، مثلا اسے خود کھانے کی خواہش نہیں ہے، فی الحال وہ آسودہ ہے لیکن گھر میں اس کے بچے بھوکے ہیں اگر یہ کھانا اس کی ملکیت میں دے دیا گیا ہوتا تو اسے گھر لے جاکر بال بچوں کو کھلاتا اور خوش ہوتا یا اس وقت وہ اور اس کے گھر والے آسودہ ہیں اگر انہیں اس کا مالک بنادیا گیا ہوتا تو اس وقت کے بجائے دوسرے وقت اسے استعمال میں لاتے یا اسے فروخت کرکے اپنی کوئی اور اہم ضرورت پوری کرتے، زکوۃ کی رقم سے اگر آپ نے کچھ فقراء کی دعوت کردی تو یہ مال فقراء کے مفاد میں استعمال تو ضرور ہوا لیکن فقراء کے تئیں اس مال کی نافعیت بہت محدود ہوگئی۔ زکوۃ کے مال سے فقراء کو کامل نفع پہنچانے ہی کے لیے اسلام نے لازم قرار دیا کہ صاحب ثروت طبقہ اپنے مال کی زکوۃ نکال کر اسے فقراء کی ملکیت اور تصرف میں دے دے، مال زکوۃ پر اپنا کوئی تصرف، کنٹرول باقی نہ رکھے تاکہ وہ لوگ اپنی صواب دید سے وہ مال جس ضرورت کی تکمیل میں چاہیں صرف کریں۔ زکوۃ کے بارے میں اسلام نے جو اصلاحات جاری کیں، ان کا تذکرہ کرتے

ہوئے علامہ سید سلیمان ندوی سیرۃ النبی میں رقم طراز ہیں:

۶۔ شریعت سابقہ میں ایک بڑی تنگی یہ تھی کہ زکوۃ خود مستحقین کے حوالہ نہیں کی جاتی تھی، بلکہ ذخیرہ میں جمع ہوکر، اس کا کھانا پک کرغرباء میں تقسیم ہوتا تھا،لیکن عام انسانی ضرورتیں صرف کھانے تک محدود نہیں ہیں، اس لیے شریعت محمدیہ نے اس رسم میں یہ اصلاح کی کہ غلہ یا رقم خود مستحقین کو دے دی جائے تاکہ وہ جس طرح چاہیں اپنی ضروریات میں صرف کریں۔،،(۷) اسلام نے فقراء کے حق میں زکوۃ کی نافعیت بڑھانے کے لیے انہیں مال زکوۃ کا مالک بنانے کی جو اصلاح جاری فرمائی اسی کو فقہاء نے تملیک فقیر (فقیر کا مالک بنانے) کا نام دیا۔ زیرنظر مقالے مضامین میں اسی تملیک فقیر کے مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے اور موافق ومخالف دلائل اکٹھا کیے گئے ہیں۔ فقہاء اسلام کا متفقہ موقف رہا ہے کہ زکوۃ کے ابتدائی چار مصارف (فقراء مساکین، عاملین زکوۃ، مولفۃ القلوب) میں مال زکوۃ صرف کرنے کی صورت میں ادائیگی زکوۃ کے لیے ضروری ہے کہ ان مستحقین زکوۃ کو مال زکوۃ کا مالک بنادیا جائے، مال زکوۃ پر انہیں ایسا مالکانہ قبضہ وتصرف دے دیا جائے کہ وہ اپنی جس ضرورت میں چاہیں اور جس طرح چاہیں مال زکوۃ صرف کریں۔ اس سلسلے میں فقہاء احناف کی تصریحات بہت واضح ہیں، انھوں نے ادائیگی زکوۃ کے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ مستحق زکوۃ کو مال زکوۃ کا مالک بنادیا جائے، مستحق زکوۃ کے قبضہ وملک میں پہنچنے کے بعد اسے ہر طرح کے مالکانہ تصرف کا اختیار ہوگا۔

تملیک اور فقہاء احناف:

تملیک کے ضروری ہونے کے سلسلے میں احناف کے دلائل اور حنفی فقہاء کی تصریحات کا ذکر آگے آئے گا اس لیے یہاں صرف ایک حوالہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ملک العلماء علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (۵۸۷ھ) اپنی شہرہ آفاق کتاب بدائع الصنائع میں لکھتے ہیں: ”زکوۃ کا رکن یہ ہے کہ نصاب کا ایک حصہ نکال کر اللہ کے حوالے کیا جائے اس طور سے کہ مال کا مالک فقیر یا اس کے نائب یعنی عامل صدقہ کی ملکیت اور قبضہ میں وہ مال دے کہ اس مال سے بالکل دست کش ہوجائے، فقیر کی ملکیت اللہ کی جانب سے ہوتی ہے اور فقیر کو مالک بنانے اور فقیر کے حوالہ کرنے میں صاحب مال اللہ تعالی کا نائب ہے اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے: ”کیا لوگوں کو معلوم

نہیں ہے کہ اللہ تعالی ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اوزوہی صدقات لیتا ہے،،۔اوررسول اللہ ﷺ کاارشاد ہے:''زکوۃ فقیر کی ہتھیلی میں جانے سے پہلے رحمان کے ہاتھ میں جاتی ہے۔،،اللہ تعالی نے مالکین اموال کوایتاء زکوۃ کاحکم دیاہے :

ارشاد ہے:''واتوا الزکوۃ (اورزکوۃ دو) اورایتاء (دینا) مالک بنانا (تملیک) ہے،اسی لیے اللہ تعالی نے انما الصدقات للفقراء والی آیت میں زکوۃ کو''صدقہ،،کانام دیاہے اورصدقہ کرنا مالک بنانا ہے.........اوراس لیے کہ زکوۃ ہماری اصل کے اعتبار سے عبادت ہے اورعبادت کامطلب ہے کسی عمل کوکلیۃ اللہ کے لیے کردینا،زکوۃ میں یہ صورت اسی وقت پیداہوتی جب فقیر کے حوالہ کرنے کے بعدزکوۃ کے بہ قدر مال کی نسبت زکوۃ دہندہ سے کلیۃ منقطع ہوجائے اوروہ خالص اللہ کے لیے ہوجائے،زکوۃ میں قربت کامفہوم اپنی ملکیت ختم کرکے اللہ کی طرف اس مال کے نکالنے میں ہے نہ کہ فقیر کومالک بنانے میں، بلکہ فقیر کومالک بنانادراصل اللہ کی جانب سے ہےاورصاحب مال اللہ تعالی کی جانب سے نائب ہے..........،،(۸)

علامہ کاسانی کی یہ عبارت تملیک کے سلسلے میں فقہاء کے نقطۂ نظر کی بڑی مدلل ترجمانی کرتی ہے۔مختلف حضرات نے کاسانی کاحوالہ دیاہے لیکن عام طورسے ان کے استدلال کابڑاحصہ اختصار کی نذرہوگیاہے اس لیے میں نے کچھ طویل ہونے کے باوجودان کااستدلال پیش کرناضروری سمجھا۔

فقہاء شافعیہ کاموقف:

شافعیہ نے آیت مصارف (**انما الصدقات للفقراء**...... الخ) کے لام کوتملیک کے معنی میں لیاہے اس لیےان کے نزدیک مصارف زکوۃ کومال زکوۃ کامالک بنانا ازحدضروری ہے،یہ بات کافی نہیں ہے کہ زکوۃ دہندگان اپنے طورپرزکوۃ مستحقین زکوۃ کے مفادمیں صرف کردیں،انہیں مال زکوۃ کامالک نہ بنائیں،ان کے قبضہ میں زکوۃ کامال نہ دیں،فقہاء شافعیہ کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے شیخ ابواسحاق شیرازی المہذب میں لکھتے ہیں: **ویجب صرف جمیع الصدقات الی ثمانیۃ اصناف**......... **والدلیل علیہ قولہ تعالی: انما الصدقات للفقراء**..........،، **فاضاف جمیع الصدقات الیھم بلام التملیک واشرک بینھم بواوالشریک فدل علی انہ مملوک لھم مشترک بینھم**.(۹) تمام

☆عام کی تخصیص نیت کے ساتھ دیانۃ مقبول ہوتی ہے نہ کہ قضاء☆

صدقات کوآٹھ اصناف پرصرف کرناواجب ہے.........اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے:"**انما الصدقات للفقراء**..........،،اس آیت میں تمام صدقات کی اضافت لام تملیک کے ذریعہ ان آٹھ اصناف کی طرف کی گئی ہے اورشرکت پردلالت کرنے والے،،واو،، کے ذریعہ انہیں شریک بنایا گیا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ زکوۃ ان آٹھ اصناف کی ملکیت اوران کے درمیان مشترک ہے۔امام نووی شافعی(۶۷۶ھ)المجموع شرح المہذب میں زکوۃ کے پانچویں مصرف(فی الرقاب)پرگفتگوکرتے ہوئے لکھتے ہیں:**قال الشافعی والاصحاب: یصرف سہم الرقاب الی المکاتبین ھذامذھبناوبه قال اکثرالعلماء۔۔۔ واحتج اصحابنابان قوله عزوجل(وفی الرقاب)کقوله تبارک وتعالی(وفی سبیل الله)وھناک یجب الدفع الی المجاھدین۔فکذایجب ھناالدفع الی الرقاب ولایکون دفعاالیھم الاعلی مذھبنا** ۔امام شافعی اوران کے شاگردوں نے فرمایا"فی الرقاب،،کاحصہ مکاتب غلاموں پرخرچ کیاجائے گا،یہی ہمارامذہب ہے اوراکثرعلماء اسی کے قائل ہیں.........ہمارے فقہاء نے اس طرح استدلال کیاہے کہ اللہ تعالی کاقول(وفی الرقاب)اللہ تعالی کے قول(وفی سبیل اللہ)کی طرح ہے،اور(وفی سبیل اللہ)میں مجاہدین کودیناواجب ہے اسی طرح یہاں"رقاب،،کودیناواجب ہوگااور"رقاب،،کودیناہمارے ہی مذہب کے اعتبار سے ہوگا۔**وامامن قال یشتری به عبیدفلیس بدفع الیھم وانماھودفع الی ساداتھم ولان فی جمیع الاصناف یسلم السھم الی المستحق ویملکه ایاه فینبغی ھناان یکون کذلک لان الشرع لم یخصھم بقیدیخالف غیرھم۔** (۱۰) جولوگ کہتے ہیں کہ اس حصہ سے غلام خریدلیے جائیں تو یہ توغلاموں کودینانہیں ہوابلکہ ان کے مالکوں کودیناہوا۔نیز تمام اصناف میں ضروری ہے کہ سہم(حصہ)مستحق کے حوالہ کردیاجائے اوراسے مالک بنادیاجائے لہذایہاں بھی اسی طرح ہوناچاہیے،،کیوں کہ شریعت نے"رقاب،،کے لیے ایسی قیدنہیں لگائی ہے جودوسرے مصارف سے مختلف ہو۔فقہاء شافعیہ کے ان اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ادائیگی زکوۃ کے لیے مستحق زکوۃ کومال زکوۃ کامالک بناناضروری ہے۔

حنابلہ اور مالکیہ کی تصریحات:

حنبلی فقہاء کی عبارتیں بھی تملیک کے ضروری ہونے کے سلسلے میں انتہائی واضح ہیں، یہاں ہم حنبلی فقہاء کے بھی دوہی اقتباسات پر اکتفا کرتے ہیں۔مشہور حنبلی فقیہ شمس الدین مقدسی (محمد بن مفلح ۷۶۳ھ) کتاب الفروع میں لکھتے ہیں: **ویشترط فی اخراج الزکوۃ تملیک المعطی (و) فلایجوز ان یغدی الفقراء والمساکین ویعشیھم ولایقضی منھا دین میت غرمه لمصلحة نفسه اوغیره حکاه ابوعبیدوابن عبدالبر لعدم اھلیته لقبولھا کمالوکفنه منھا** (۱۱) ۔زکوۃ نکالنے میں یہ شرط ہے کہ جسے زکوۃ دی جائے اسے مالک بنادیا جائے،لہذا یہ جائز نہیں ہوگا کہ زکوۃ سے فقراء ومساکین کو صبح وشام کا کھانا کھلادیا جائے،زکوۃ سے میت کے اس دین کی ادائیگی نہیں کی جائے گی جودین اپنی یادوسرے کی مصلحت کے لیے میت نے (اپنی زندگی میں) لیاہو،یہ بات ابوعبیداورابن عبدالبر نے نقل کی ہے،کیونکہ میت میں صدقہ قبول کرنے کی اہلیت نہیں ہے،اسی طرح مال زکوۃ سے میت کی تکفین جائز نہیں ہے۔علامہ بہوتی (منصور بن یونس ادریس ۱۰۴۶ھ) کشاف القناع میں لکھتے ہیں: **(ویشترط لملک الفقیرلھا) ای الزکوۃ (واجزاءھا عن ربھا: قبضه لھا، فلایجزی غداء الفقراء ولاعشاء ھم) من الزکوۃ لانه لیس بایتاء (ولایقضی منھا دین میت غرم لمصلحة نفسھااوغیره) حکاه ابوعبیدوابن عبدالبراجماعا (لعدم اھلیته) ای المیت (لقبولھا، کمالوکفنه) ای رب المال (منھا) ای من الزکوۃ۰۰۰۰ (ولایصح تصرف الفقیر) وباقی اھل الزکوۃ قبل قبضھا لانه لایملکھا الابه۔** (۱۲) زکوۃ پر فقیر کی ملکیت کے لیے اور صاحب مال کی زکوۃ اداہونے کے لیے اس پر فقیر کا قبضہ کرنا شرط ہے،لہذا زکوۃ کے مال سے فقراء کو صبح وشام کا کھانا کھلادینا کافی نہیں ہے،کیوں کہ یہ ایتاء (دینا) نہیں ہے،اورنہ ہی زکوۃ سے کسی میت کا دین اداکیاجائے گا،خواہ میت نے اپنی مصلحت کے لیے وہ دین لیاہو یادوسروں کی مصلحت کے لیے،یہ بات ابوعبیداورابن عبدالبر نے اجماع کی صورت میں نقل کی ہے،کیونکہ میت میں زکوۃ قبول کرنے کی

اہلیت نہیں ہے،جس طرح اگرصاحب مال زکوۃ سے مال کی تکفین کرے توزکوۃ ادانہیں ہوتی........فقیراوردوسرے مستحقین زکوۃ کا،مال زکوۃ پر قبضہ کرنے سے پہلے تصرف صحیح نہیں ہے کیونکہ مستحقین زکوۃ قبضہ کرنے کے بعدہی مال زکوۃ کے مالک بنتے ہیں۔زکوۃ کے ابتدائی چارمصارف میں فقہاء مالکیہ بھی تملیک ضروری قرار دیتے ہیں جیسا کہ کتاب الفروع اورکشاف القناع کے مذکورہ بالا اقتباسات میں ابن عبدالبر کا حوالہ دینے سے ظاہر ہوتا ہے۔علامہ زمخشری (۵۳۸ھ) کی تفسیر کشاف کے مشہور ناقد، بلندپایہ مالکی عالم احمد بن محمد بن منصوراسکندری (م۶۸۳ھ) معروف بہ ابن المنیر الانتصاف من الکشاف میں آخری چار مصارف زکوۃ پر''لام،،کے بجائے''فی،،داخل کرنے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **وثم سرآخروهواظهرواقرب وذلك ان الاصناف الاربعة الاوائل ملاك لماعساه يدفع اليهم وانمايأخذونه ملكافكان دخول اللام لائقا بهم.واماالاربعة الاواخرفلايملكون مايصرف نحوهم بل لايصرف اليهم ولكن فى مصالح تتعلق بهم. (۱۳)**

پھر یہاں ایک اورراز ہے وہ زیادہ قوی اور قابل قبول ہے،وہ یہ ہے کہ پہلے چاراصناف اس مال کے مالک بن جاتے ہیں جوانہیں دیاجاتا ہے،یہ لوگ مالکانہ طورپراس مال کو لیتے ہیں اورآخر کے چاراصناف دیے ہوئے مال کے پورے طورپر مالک نہیں ہوتے بلکہ وہ مال ان پرصرف کیے جانے کے بجائے ان سے وابستہ چندمصالح میں صرف کیاجاتا ہے۔ابن المنیر مالکی کی اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک زکوۃ کے ابتدائی چارمصارف میں زکوۃ صرف کرنے کی صورت یہی ہوگی کہ ان مصارف میں شامل افراد کومال زکوۃ کا مالک بنادیاجائے گا کہ وہ لوگ اس مال میں جس طرح چاہیں مالکانہ تصرف کریں۔دورحاضر کے ممتازفقیہ ڈاکٹروھبہ زحیلی نے تملیک ضروری ہونے کے سلسلے میں جمہورفقہاء کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا ہے: **اتفق جماهيرفقهاء المذاهب على انه لايجوزصرف الزكوة الى غيرمن ذكرالله تعالى من بناء المساجدوالجسوروالقناطروالسقايات وكرى الانهاراواصلاح الطرقات وتكفين الموتى وقضاء الدين والتوسعة على الاضياف وبناء الاسواراواعدادوسائل الجهادكصناعة السفن الحربية وشراء السلاح ونحوذلك من القرب التى لم يذكرهاالله تعالى**

مما لا تمليك فيه ۔(۱۴) تمام مذاہب کے جمہور فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالی نے زکوۃ کے جو مصارف ذکر فرمائے ہیں ان کے علاوہ دوسرے کاموں میں زکوۃ صرف کرنا جائز نہیں مثلاً مساجد، پلوں، سبیلوں کی تعمیر، نہریں کھودنا، راستوں کی مرمت، مردوں کی تکفین، ان کے دین کی ادائیگی، مہمانوں پر کشادگی کرنا، شہر پناہوں کی تعمیر، وسائل جہاد کی تیاری مثلاً جنگی کشتیاں بنانا، ہتھیار خریدنا اور دوسرے اس طرح کے نیک کام جن کا اللہ نے ذکر نہیں فرمایا، جن میں تملیک نہیں پائی جاتی۔

مسئلہ تملیک کے چند پہلو:

ادائیگی زکوۃ کے لیے تملیک کو لازم قرار دینے کا جمہور فقہاء اسلام کا نقطۂ کتاب وسنت کے جن دلائل پر مبنی ہے ان کا اجمالی اور تفصیلی تذکرہ آگے آئے گا، مجھے یہاں تملیک کے دلائل پر تفصیلی گفتگو نہیں کرنی لیکن مسئلہ تملیک سے متعلق چند پہلوؤں کو اجاگر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

تملیک پر آیات قرآنی سے استدلال:

قرآن کریم نے عموماً صدقہ واجبہ (زکوۃ) کا حکم دینے کے لیے ''ایتاء'' کی تعبیر اختیار کی ہے، قرآن کی متعدد آیات میں فرمایا گیا ہے: **اقيموا الصلوة وآتوا الزكوة** نماز قائم کرو اور زکوۃ دو۔ ''ایتاء'' ''اعطاء'' کا ہم معنی ہے، دونوں کا معنی ہے ''دینا''۔ دینے کا عمل تین عناصر سے مکمل ہوتا ہے: (۱) دینے والا (معطی) (۲) جس شخص کو دیا جائے (معطی لہ) (۳) جو چیز دی جائے (شئ معطی)۔ اصطلاحی زبان میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ فعل ایتاء اور اعطاء کا ایک فاعل ہوتا ہے دو مفعول۔ جمہور فقہاء نے ادائیگی زکوۃ کے لیے تملیک کے لازم ہونے پر ''ایتاء'' سے بھی استدلال کیا ہے، ان کا یہ استدلال سمجھنے کے لیے ہمیں ایتاء کے لغوی مفہوم اور قرآن میں اس کے استعمالات پر ایک نظر ڈالنی ہوگی۔ امام راغب اصفہانی (متوفی ۵۰۲ھ) لکھتے ہیں: **والايتاء الاعطاء وخص وضع الصدقة فى القرآن بالايتاء**۔ ایتاء کا معنی اعطاء (دینا) ہے، قرآن میں زکوۃ کی ادائیگی کو خاص طور پر ایتاء سے تعبیر کیا ہے۔ (**المفردات للراغب الاصفهانى**) لینا اور دینا دو ایسی بدیہی حقیقتیں ہیں جو ابتدائے آفرینش سے چلی آرہی

ہیں،انسانیت کے وحی ونبوت،علوم وفنون سے آشنا ہونے سے بہت پہلے سے لینے اوردینے کا سلسلہ جاری ہے۔ظاہر ہے کہ جب دینے (ایتاء) کا تعلق کسی مادی قابل ملکیت چیز سے ہوتواس سے مراد مالک بنانا (تملیک) ہوتا ہے،الا یہ کہ اس کے خلاف کوئی واضح قرینہ موجود ہو۔قرآن کے بے شماراستعمالات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب ایتاء کا تعلق کسی مادی قابل ملکیت مال سے ہوتواس سے مراد مالک بنانا ہوتا ہے،اس سلسلے میں قرآن کے چند استعمالات ملاحظہ ہوں:

۱۔ **ومنهم من عاهدالله لئن آتنامن فضله لنصدقن ولنكونن من الصالحين ہ فلما آتهم من فضله بخلوا به وتولواوهم معرضون۔(توبه ۷۵۔۷۶)** اوران میں سے بعض ایسے ہیں جنھوں نے خدا سے عہد کیا تھا کہ اگروہ ہم کواپنی مہربانی سے (مال) عطا فرمائے گا تو ہم ضرورخیرات کریں گے اورنیکوکاروں میں ہوجائیں گے۔لیکن جب خدانے ان کواپنے فضل سے (مال) دیا تواس میں بخل کرنے لگے اور(اپنے عہد سے) روگردانی کرکے پھر بیٹھے۔

۲۔ **یاایها النبی انااحللنالک ازواجک التی آتیت اجورهن۔(احزاب ۵۰)** اے پیغمبرہم نے تمہارے لیے تمھاری بیویاں جن کوتم نے ان کے مہردیدیے ہیں حلال کردی ہیں۔

۳۔ **وان اردتم استبدال زوج مکان زوج واتیتم احدهن قنطارافلاتاخذوامنه شیئااتاخذونه بهتاناواثمامبینا** اوراگرتم ایک بیوی کی جگہ(دوسری) بیوی بدلنا چاہواورتم اس بیوی کو(مال کا) انباردے چکے ہوتو تم اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔کیاتم بہتان رکھ کراورصریح گناہ کرکے اسے (واپس) لوگے۔

۴۔ **الطلاق مرتان فامساک بمعروف اوتسریح باحسان (ط) ولایحل لکم ان تاخذوامماآتیتموهن شیئاالاان یخافاالایقیماحدودالله فان خفتم الایقیماحدودالله فلاجناح علیهمافیماافتدت به۔(بقره۔۲۲۹)** طلاق دوبار ہے(یعنی دو دفع طلاق دے دی جائے تو) پھر(عورتوں کو) یاتو بطریق شائستہ(نکاح میں) رہنے دینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا۔اوریہ جائزنہیں کہ جومہرتم ان کودے چکے ہواس میں سے کچھ واپس لے

لو۔ ہاں اگر زن وشوہر کو خوف ہو کہ وہ خدا کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو اگر عورت (خاوند کے ہاتھ سے) رہائی پانے کے بدلے میں کچھ دے ڈالے تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔

۵۔ **وآتوالنساء صدقتهن نحلة فان طبن لكم عن شئى منه نفسافكلوه هنيئامريئا(نساء۔٤)** اور تم بیویوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو، لیکن اگر وہ خوش دلی سے تمہارے لیے اس کا کوئی جزء چھوڑ دیں تو تم اسے مزہ دار اور خوش گوار سمجھ کر کھاؤ۔

٦۔ **والذين يبتغون الكتب مماملكت ايمانكم فكاتبوهم ان علمتم فيهم خيرا وآتوهم من مال الله الذى آتكم۔(نور۔٣٣)** اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتب ہونے کے خواہاں ہوں تو انہیں مکاتب بنادیا کرو اگر ان میں بہتری (کے آثار) پاؤ اور اللہ کے اس مال میں سے بھی انہیں دو جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے۔

۷۔ **فلماجاء سليمان قال اتمدونن بمال فماآتانى الله خيرمما آتاكم بل انتم بهديتكم تفرحون۔(نمل۔٣٦)** سو جب وہ (ایلچی) سلیمان کے پاس پہنچا تو آپ نے کہا، کیا تم لوگ میری مدد مال سے کرنا چاہتے ہو؟ سو اللہ نے جو کچھ مجھے دے رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو اس نے تم کو دیا ہے، البتہ تم ہی اپنے ہدیہ پر اتراتے ہوگے۔ قرآن کی مذکورہ بالا آیات میں ''ایتاء،، کے مختلف افعال اور صیغے استعمال کیے گئے ہیں اور ان سب میں مالک بنانے (تملیک) کا مفہوم پایا جاتا ہے جیسا کہ ان آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ''ایتاء،، کا تعلق کسی مادی قابل ملکیت مال سے ہو اور وہاں مالک بنانا (تملیک) مراد نہ ہو لیکن اس کے لیے کسی واضح قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے، مثلا اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **ولاتؤتوالسفهاء اموالكم التى جعل الله لكم قياماوارزقوهم فيهاواكسوهم وقولوالهم قولامعروفا۔(نساء۔٥)** اور کم عقلوں کو اپنا وہ مال نہ دے دو جس کو اللہ نے تمہارے لیے مایۂ زندگی بنایا ہے اور اس مال میں سے انہیں کھلاتے اور پہناتے رہو اور ان سے بھلائی کی بات کہتے رہو۔ اس آیت میں اگرچہ ایتاء کا تعلق قابل ملکیت مال سے ہے لیکن یہاں اس بات کا واضح قرینہ موجود ہے کہ اس میں ایتاء سے مراد مالک بنانا نہیں بلکہ قبضہ میں دینا اور حوالہ

کرنا مراد ہے کیونکہ یہاں گفتگو اسی مال کے بارے میں ہو رہی ہے جو سفہاء کی ملکیت ہے لیکن یہ مال ان کی ناقص العقلی کی وجہ سے ان کے حوالہ کیے جانے کے بجائے ان کے اولیاء کے قبضہ وتصرف میں رکھا گیا ہے۔ اسی طرح اگر ایتاء کا تعلق غیر مادی نا قابل ملکیت چیز سے ہو مثلاً وحی الٰہی، ہدایت، تقوی، نور وغیرہ تو وہاں مالک بنانا مراد نہیں ہوگا، کیونکہ وہاں تملیک کے معنی کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اس تفصیل کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ آیات قرآنی میں زکوۃ کے ساتھ جو فعل ''ایتاء،، استعمال ہوا ہے اس میں مالک بنانے (تملیک) کا مفہوم پایا جاتا ہے، کیونکہ مال زکوۃ مادی قابل ملکیت چیز ہے اور زکوۃ دینے کا مطلب ہی یہ ہے کہ انسان اپنے مال کے ایک حصہ سے اپنی ملکیت اور قبضہ ختم کر کے ان لوگوں کی ملکیت میں دیدے جنہیں دینے کا اللہ نے حکم فرمایا ہے، زکوۃ ادا کرنے میں زکوۃ دہندہ کی ملکیت ختم ہو کر مستحق زکوۃ کی ملکیت قائم ہوجاتی ہے۔ یہ نکتہ تو بدیہی اور اجماعی ہے کہ زکوۃ نکالنے کے بعد مال زکوۃ سے زکوۃ دہندہ کی ملکیت ختم ہوجاتی ہے، اب اس کے بعد اگر یہ کہا جائے کہ وہ مال کسی فقیر یا مستحق زکوۃ کی ملکیت میں جانا ضروری نہیں بلکہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ وہ مال خدا کی ملکیت میں رہے اور مستحقین زکوۃ کو اس سے فائدہ پہنچایا جائے تو وقف اور زکوۃ میں کیا فرق رہ جائے گا، دونوں کے درمیان مابہ الامتیاز یہی تو ہے کہ مال وقف ان لوگوں کی ملکیت میں نہیں جاتا جن پر وقف کیا گیا ہے اور مال زکوۃ مستحق زکوۃ کی ملکیت بن جاتا ہے۔

حدیث معاذؓ سے استدلال:

اگر ہم حدیث معاذؓ کی روشنی میں دیکھیں تو تملیک کا مسئلہ بالکل عیاں ہوجاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے فرمایا: **انک تاتی قوما من اھل الکتاب فادعھم الی شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ فان ھم اطاعوک لذلک فاعلمھم ان اللہ افترض علیھم خمس صلوات فی الیوم واللیلۃ فان ھم اطاعوک لذلک فاعلمھم ان اللہ افترض علیھم صدقۃ تؤخذ من اغنیائھم فترد علی فقرائھم** تم اہل کتاب قوم کے پاس جا رہے ہو، انہیں اس بات کی دعوت دو کہ اللہ کی وحدانیت اور میری رسالت کی شہادت دیں، اگر وہ تمھاری یہ

بات مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ نے شب وروز میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔اگر تمھاری یہ بات بھی مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے جو ان کے اغنیاء سے لی جائے گی اوران کے فقراء کو واپس دی جائے گی۔اس حدیث میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ صدقہ فرض (زکوۃ) کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اغنیاء سے اس کا ''اخذ،، (لینا) ہوگا اور فقراء پر اس کا ''رد،، (واپس کرنا، دینا) ہوگا۔''اخذ،، اور ''رد،، دونوں مقابل لفظ ہیں، اغنیاء سے جس چیز کا اخذ ہوگا، فقراء پر اسی کا رد ہوگا، ظاہر ہے کہ زکوۃ وصول کرنے میں اغنیاء سے صرف مال زکوۃ کے منافع نہیں لیے جاتے بلکہ اس کی ملکیت بھی لی جاتی ہے لہذا فقراء پر رد صرف منافع کا نہیں ہوگا بلکہ ملکیت کا بھی ہوگا یعنی فقراء کو مال زکوۃ کا مالک بنادیا جائے گا اور یہی تملیک فقیر ہے جس پر فقہاء نے زور دیا ہے، تملیک فقیر کتاب وسنت کا تقاضا ہے فقہاء اسلام کی اختراع نہیں ہے۔''اخذ،، اور ''رد،، کا یہ عمل اسلامی حکومت کرے گی اور اس کی عدم موجودگی میں مسلمانوں کے ارباب حل وعقد کرسکتے ہیں۔اخذ اور رد کے اس عمل میں اسلامی حکومت ایک واسطہ کا کام دیتی ہے، حکومت کو یہ اختیار نہیں ہے کہ فقراء کی طرف ملکیت منتقل کرنے کے بجائے مال زکوۃ پر اپنی ملکیت قائم کرلے اور فقراء کو صرف اس کے منافع سے بہرہ ور کرے کیونکہ ایسی صورت میں اس نے اغنیاء سے جس چیز کا اخذ کیا اسے فقراء کی طرف واپس نہیں کیا۔

عہد نبوی اور عہد صحابہ کا تعامل:

رسول اللہ ﷺ کے دور سے لے کر آخری صدیوں تک زکوۃ کی ادائیگی اور تقسیم کا یہی طریقہ رائج تھا، زکوۃ فقراء مساکین اور دوسرے مستحقین کو بطور ملکیت دیدی جاتی تھی۔تاریخ اسلام میں ایک نظیر بھی ایسی نہیں ملتی کہ زکوۃ فقراء میں تقسیم کرنے کے بجائے کسی ایسی رفاہی اور فلاحی اسکیم میں لگائی گئی ہو جس کا نفع فقراء کو پہنچتا ہو اور ملکیت ان کی طرف منتقل نہ ہوتی ہو، حالانکہ اس زمانہ میں رفاہی اور فلاحی کام بہ کثرت ہوا کرتے تھے۔عہد نبوت اور عہد خلفاء راشدین میں زکوۃ کی وصولی اور تقسیم کا جو ریکارڈ حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کے مقررہ کردہ عاملین زکوۃ عموماً ہر آبادی کی زکوۃ وہیں کے فقراء پر تقسیم کردیا کرتے تھے، ہاں اگر اس جگہ زکوۃ کے مستحقین موجود نہ ہوتے تو زکوۃ وہاں سے منتقل کرکے دوسری جگہ لے جاکر تقسیم کردی جاتی، امام

ابوعبید قاسم بن سلام (۲۲۴ھ) نے اس بارے میں بہت سے آثار جمع کردیے ہیں۔ان میں سے چند کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کو رسول اللہ ﷺ نے عامل بنا کر یمن بھیجا، وہ اسی عہدہ پر کام کرتے رہے یہاں تک رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتقال ہوگیا، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مدینہ واپس آئے، حضرت عمرؓ نے پھر انہیں اسی کام میں یمن واپس بھیج دیا۔یمن جانے کے بعد حضرت معاذؓ نے لوگوں کی زکوۃ کا ایک تہائی مال حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجا، حضرت عمرؓ نے اس پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا: میں نے آپ کو ٹیکس اور جزیہ وصول کرنے کے لیے نہیں بھیجا بلکہ اس لیے بھیجا تاکہ وہاں کے اغنیاء سے زکوۃ لے کر وہاں کے فقراء میں تقسیم کردیں، حضرت معاذؓ نے فرمایا، جب مجھے کوئی زکوۃ لینے والا نہیں ملا تب میں نے باقی ماندہ زکوۃ مدینہ بھیجی، اگلے سال حضرت معاذ بن جبلؓ نے آدھی زکوۃ مدینہ بھیجی، پھر ان میں اور حضرت عمرؓ میں وہی سوال جواب ہوا۔تیسرے سال حضرت معاذ بن جبلؓ نے پوری زکوۃ مدینہ بھیجی، حضرت عمرؓ نے پھر حسب سابق نکیر فرمایا، تو انھوں نے جواب دیا: مجھے کوئی زکوۃ لینے والا نہیں ملا اس لیے ساری زکوۃ مدینہ بھیجی۔

۲۔ حضرت عمرؓ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو بنی کلاب یا بنو سعد بن ذبیان پر زکوۃ کا محصل بنا کر بھیجا، حضرت معاذ بن جبلؓ نے انہیں قبائل کے فقراء پر وہ زکوۃ تقسیم کردی اور کچھ نہ بچایا اور اپنی گردن پر وہی بوریا رکھ کر گھر پلٹے جسے لے کر نکلے تھے۔

۳۔ دور فاروقی کے ایک عامل صدقہ حضرت سعد کہتے ہیں: ہم زکوۃ وصول کرنے نکلتے تھے اور واپسی میں ہمارے پاس صرف ہمارے کوڑے ہوتے تھے۔

۴۔ محمد بن یوسف نے حضرت طاؤس کو مخلاف کا عامل بنایا، وہ امیروں سے زکوۃ لے کر فقراء میں بانٹتے رہے، جب وہ فارغ ہوئے تو محمد بن یوسف نے کہا: ''اپنا حساب پیش کرو،، اس پر انھوں فرمایا: ''میرے پاس کوئی حساب نہیں ہے، میں امرا سے وصول کرتا ہوں اور غرباء میں تقسیم کرتا تھا۔،، (۱۵) جامع ترمذی میں ابوجحیفہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: **قدم علینامصدق النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخذالصدقۃ من اغنیاء نا فجعلھافی فقراء نا وکنت غلامایتیمافاعطانی منھاقلوصا۔**(۱۶)

☆ تخصیص العام بالنیة مقبولة دیانة لا قضاء ☆

ہمارے یہاں رسول اکرم ﷺ کی طرف سے زکوۃ وصول کرنے والا آیا، اس نے ہمارے مالداروں سے زکوۃ لے کر ہمارے غریبوں میں تقسیم کردی، میں یتیم لڑکا تھا، مجھے بھی اس میں سے ایک جوان اونٹنی دی۔ منکرین تملیک کو بھی اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ خیرالقرون اوراس کے بعد کی صدیوں میں ادائیگی زکوۃ کی یہی شکل رائج تھی کہ زکوۃ کے مستحقین کو مال زکوۃ کا مالک بنادیا جاتا تھا۔ تاریخ اسلام کے ہر دور میں تملیک فقیر پر مسلسل عمل محض اتفاقی بات نہیں ہوسکتی بلکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں امت کے ہر طبقہ کے ذہن میں شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ بات راسخ رہی کہ ادائیگی زکوۃ کی واحد شکل تملیک مستحق ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئیاں:

رسول اللہ ﷺ نے قیامت تک پیش آنے والے حالات وواقعات کے بارے میں جو پیشین گوئیاں فرمائیں ان میں بھی غیر تملیکی ادائیگی زکوۃ کی طرف کوئی ہلکا اشارہ نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس احادیث نبوی کے اشارات سے یہی واضح ہوتا ہے کہ قیامت قائم ہونے تک ادائیگی زکوۃ کی واحد صورت تملیک فقیر ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **لاتقوم الساعة حتی یکثر المال ویفیض حتی یخرج الرجل بزکوة ماله فلایجد احدا یقبلها منه۔(صحیح مسلم کتاب الزکوة)** قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ مال کی بہتات ہوجائے گی حتی کہ انسان اپنے مال کی زکوۃ نکالے گا تو اسے کوئی ایسا شخص نہیں ملے گا جو اس کی زکوۃ قبول کرلے۔ حارث بن وہبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **تصدقوا فیوشک الرجل یمشی بصدقته فیقول الذی اعطاها لوجئتنا بها بالامس قبلتها فاما الآن فلا حاجة لی بها فلا یجد من یقبلها (۱۷) ۔(صحیح مسلم کتاب الزکوة)** صدقہ دو، کیوں کہ عنقریب ایسا ہونے والا ہے کہ انسان صدقہ لے کر چلے گا، جسے صدقہ دیا جائے گا کہ اگر تم کل صدقہ لائے ہوتے تو میں اسے قبول کرلیتا، لیکن اب مجھے صدقہ کی ضرورت نہیں ہے، اسے صدقہ قبول کرنے والا کوئی شخص نہ ملے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئیوں کے ضمن میں امت کی رہنمائی کا بڑا سامان مہیا فرمایا ہے اوراشارے دے دیے ہیں کہ آئندہ پیش آنے والے حالات میں امت کے لیے راہ عمل

کیا ہے،اگر تملیک فقیر کی حیثیت عہد نبوی کی وقتی پالیسی کی ہوتی اسے رکن یا شرط کی حیثیت حاصل نہ ہوتی تو رسول اکرم ﷺ کوئی ایسا اشارہ ضرور فرمادیتے کہ آنے والے زمانہ میں جب کہ فقراء کمیاب ہوجائیں زکوۃ دہندگان زکوۃ کا مال فقراء کے قبضہ وملکیت میں دینے کے لیے پریشان نہ ہوں اور در بدر نہ پھریں بلکہ اسے کسی رفاہی اور فلاحی کام میں لگادیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا نقطۂ نظر:

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی(۱۱۷۶ھ)مفکرین اسلام میں خصوصی اہمیت کے حامل ہیں،احکام شریعت پر ان کی بہت گہری نظر ہے،ان کی مایہ ناز کتاب ''حجتہ اللہ البالغۃ،،اسلامی لٹریچر میں اپنا خصوصی مقام رکھتی ہے۔حضرت شاہ صاحب نے اسلامی مملکت کے ذرائع آمدنی اور مصارف پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرمایا: ''**والبلاد الخاصة بالمسلمين عمدة مايتخلص فيهامن المال نوعان بازاء نوعين من المصرف، نوع هو المال الذي زالت عنه يدمالكه كتركة الميت لاوارث له، وضوال من البهائم لامالك لها۰۰۰ ونوع هو صدقات المسلمين جمعت في بيت المال ومن حقه ان يصرف الى مافيه تمليك لاحد وفي ذلك قوله تعالى: ''انما الصدقات للفقراء والمساكين،، الآية**۔(حجۃ اللہ البالغہ ۴۵/۲)''خالص مسلمان آبادی کے شہروں سے جو مال حاصل ہوتا ہے بنیادی طور پر اس کی دو قسمیں ہیں،اس کے مصرف بھی دو طرح کے ہیں،ایک تو وہ مال ہے جو مالک کے قبضہ سے نکل گیا جیسے میت کا ترکہ جس کا کوئی وارث نہیں اور گم شدہ مویشی جن کے مالک کا پتہ نہیں..........دوسری قسم مسلمانوں کے صدقات ہیں جو بیت المال میں جمع کیے جاتے ہیں،ایسے اموال کو ان مواقع میں خرچ کیا جائے گا جس میں کسی کو مالک بنایا جائے،اس دوسری قسم کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ''**انما الصدقات للفقراء والمساكين،، الآية**۔

امام ابوعبید قاسم بن سلام کی تحقیق:

امام شافعی کے معاصر امام ابوعبید قاسم بن سلام(متوفی ۲۲۴ھ) کی تصنیف ''کتاب

الاموال،، اسلام کے مالیاتی نظام پر بے نظیر کتاب ہے۔اس کتاب میں موصوف نے ایک مقام پر اس مسئلہ سے بحث کی ہے اگر مقروض شخص مستحق زکوۃ ہے تو کیا صاحب نصاب قرض خواہ ایسا کرسکتا ہے کہ اس سے قرض وصول کرنے کے بجائے اپنے ذمہ واجب الاداء زکوۃ میں وہ قرض محسوب کرلے، امام ابوعبید نے فقہاء اسلام کی ترجمانی کرتے ہوئے اسے ناجائز قرار دیا ہے اور عدم جواز کے متعدد وجوہ تحریر فرمائے ہیں، عدم جواز کی پہلی وجہ ان الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں: ’’**اما احدها فان سنة رسول الله ﷺ فی الصدقة کانت علی خلاف هذا الفعل لانه انما کان یاخذها من اعیان المال عن ظهر ایدی الاغنیاء ثم یردها فی الفقراء وکذلک کانت الخلفاء بعده، ولم یاتنا عن احد منهم انه اذن لاحد فی احتساب دین من زکوة وقد علمنا ان الناس قد کانوا یدانون فی دهرهم**(۱۸) ۔‘‘پہلی وجہ یہ ہے کہ زکوۃ کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل اس عمل کے برخلاف تھا۔رسول اللہ ﷺ اغنیاء کے قبضہ سے مختلف اموال کی زکوۃ لے کر اسے فقراء میں تقسیم کرتے تھے،رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفاء(راشدین) کا بھی یہی معمول تھا،ہمیں رسول اکرم ﷺ اور خلفاء راشدین میں سے کسی کے بارے میں نہیں معلوم کہ انھوں نے زکوۃ میں دین (قرض) محسوب کرنے کی اجازت دی ہو،حالانکہ ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ لوگ ان حضرات کے دور میں بھی دین (قرض) کا ہر معاملہ کرتے تھے،،۔ظاہر ہے کہ مد زکوۃ میں اگر کسی کا قرض محسوب کرلیا گیا تو اس سے غریب کا فائدہ ہوا اور زکوۃ کی رقم مستحق زکوۃ کے مفاد میں صرف ہوئی لیکن فقہاء اسلام نے اسے کافی نہیں سمجھا بلکہ لازم قرار دیا کہ عہد نبوی اور عہد خلفاء راشدین کی طرح اسے فقراء کے قبضہ وملکیت میں دیا جائے۔حافظ ابن رجب حنبلی (۷۹۵ھ) زکوۃ اور مال فئی کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’**وایضا فالزکوة یعتبر فیها تملیک المستحق ولا یجوز صرفها الی من لا یملک بخلاف مال الفی فانه یصرف فی المصالح العامة کسد البثوق وکری الانهار وعمارة القناطر**.(۱۹) ۔‘‘نیز زکوۃ کی ادائیگی کے لیے مستحق زکوۃ کو مالک بنانا ضروری ہے،غیر تملیکی مدوں میں زکوۃ صرف کرنا جائز نہیں،اس کے برخلاف مال فئی مصالح عامہ میں صرف کیا جاتا ہے مثلا دریا کے پشتوں کی مرمت،نہروں کی کھدائی،پلوں کی تعمیر،،۔

☆الاصل برآة الذمه ☆ بنیادی طور پر ذمہ سے بری ہونا مقصود ہے ☆

حرف آخر:

گزشتہ صفحات سے فقہاء اسلام کا یہ نقطۂ نظر واضح ہوا کہ ادائیگی زکوۃ کے لیے فقراء، مساکین وغیرہ کو مال زکوۃ کا مالک بنانا ضروری ہے، تملیک کی حکمت اوراس کے کچھ دلائل بھی آپ کے سامنے آئے، حقیقت یہ ہے کہ زکوۃ کوفریضہ قرار دے کر اسلام نے فقر وفاقہ کا علاج کرنا چاہا ہے اور سماج کے نادار محتاج طبقہ کی ضروریات زندگی کا باعزت بندوبست کیا ہے، فقر وافلاس انسان کو بسا اوقات ایسی منزل تک پہنچا دیتے کہ وہ اپنی عزت وآبرو، دین وایمان ہر چیز کو خیر باد کہہ دیتا ہے، عصر حاضر کی تمام سائنسی وصنعتی ترقیات کے باوجود دنیا کے اکثر ممالک میں فقر وافلاس ایک سنگین مسئلہ بنا ہوا ہے، پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک خصوصاً مسلم ممالک میں آبادی کا بڑا حصہ خط افلاس سے کافی نیچے زندگی گزار رہا ہے، افریقہ کے مسلم ممالک غذائی بحران اور قحط سالی سے دوچار ہیں، فقر وافلاس کی اس سنگین صورت حال نے عیسائی مشنریوں کو یہ سنہرا موقع فراہم کیا ہے کہ وہ غریب ونادار مسلمانوں کے دین وایمان سے کھلواڑ کریں، انہیں اسلام کی روشنی سے نکال کر مسیحیت کی ظلمت میں لے جائیں، فقر وافلاس میں گرفتار مسلمان ملحدانہ تحریکات، مشرکانہ نظریات اور اسلام دشمن طاقتوں کا لقمہ تر ثابت ہو رہے ہیں۔ان حالات میں سخت ضرورت ہے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق زکوۃ کا نظام قائم کر کے مسلم سماج کے غریب ونادار طبقہ کی اعانت کی جائے، اسے خطِ افلاس سے اوپر اٹھایا جائے۔ضروریات زندگی سے محروم اس طبقہ کی ضروریات کا انتظام کیا جائے، مسلم ممالک میں بھی چونکہ اسلام کا نظام تقسیم دولت نافذ نہیں ہے اس لئے سماج میں حد درجہ معاشی عدم توازن اور ناہمواری پائی جاتی ہے۔ایک طبقہ مالدار سے مالدار تر اور دوسرا غریب سے غریب تر ہوتا جارہا ہے، فقر وافلاس کا مہلک ناسور صرف انہیں ملکوں میں نہیں ہے جنہیں غریب اور پسماندہ گردانا جاتا ہے بلکہ مالدار ممالک بھی اس سے دوچار ہیں، مسلم ممالک اور مسلم معاشرے زکوۃ کا کامل نظام برپا کر کے فقر وافلاس کے مضر اور مہلک اثرات سے مسلم سماج کو بچا سکتے ہیں۔تملیک کی بندش اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ زکوۃ مسلم سماج کے نادار محتاج طبقہ پر صرف ہو، طبقہ فقراء کو اس سے پورا فائدہ پہنچے، غریبوں کی فلاح وبہبود کے نام پر زکوۃ کی خطیر رقم اغنیاء کے کنٹرول میں نہ چلی جائے، تملیک کی شرط ختم کرنے اور زکوۃ کے ساتویں مصرف ''فی سبیل اللہ،، کو عام کردینے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام رفاہی، فلاحی اور دینی کاموں میں زکوۃ خرچ ہوجانے کی وجہ سے سماج کا محتاج ونادار طبقہ

☆ یقین شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا ☆ (فقہی ضابطہ)

زکوۃ کی برکات سے محروم ہوجائے گا اور فقر وافلاس کے دلدل میں گرفتار ہوکر اپنی ہر متاع عزیز کو قربان کرنے پر آمادہ ہوجائے گا اس طرح زکوۃ کی مشروعیت کا ایک بڑا مقصد فوت ہوجائے گا اور زکوۃ کی روح بری طرح متاثر ہوگی۔

حواشی وحوالہ جات

١۔ صحیح بخاری کتاب الزکوۃ باب قول اللہ تعالی واقیموا الصلوۃ وآتوا الزکوۃ، صحیح مسلم کتاب الایمان باب الامر بقتال الناس۔

٢۔ صحیح بخاری کتاب الزکوۃ باب فان تابوا واقاموا الصلوۃ، صحیح مسلم کتاب الایمان باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا.........

٣۔ یہ حدیث الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ تمام کتب صحاح میں موجود ہے، ملاحظہ ہو صحیح بخاری کتاب الزکوۃ باب اول صحیح مسلم کتاب الایمان باب الدعاء الی الشہادتین وشرائع الایمان۔

۴۔ صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب کل نوع من المعروف صدقۃ، صحیح بخاری میں بھی یہ روایت الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ منقول ہے ملاحظہ ہو کتاب الزکوۃ باب الصدقۃ من کسب طیب۔

۵۔ کتاب الاموال لابی عبید ص ۳۶۰

۶۔ سنن ابوداؤد کتاب الزکوۃ

۷۔ سیرۃ النبی ﷺ، ج ۵، ص ۱۷۰۔

۸۔ بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۳۹

۹۔ المہذب اول، ص ۲۳۱

۱۰۔ مجموع شرح المہذب، ج ۶، ص ۱۴۶

۱۱۔ کتاب الفروع، ج ۲، ص ۶۱۹۔

۱۲۔ **کشاف القناع عن متن الاقناع، ج ۲، ص ۲۶۸، ۲۶۹۔**

۱۳۔ **الانتصاف من الکشاف بر حاشیہ کشاف، ج ۲، ص ۱۵۸، ۱۵۹۔**

۱۴۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۲، ص ۸۷۵

۱۵۔ ان روایات وآثار کے لیے ملاحظہ ہو کتاب الاموال ص ۵۸۸ تا ۵۹۰ طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت۔

☆ العادة محكمة ☆ عادت کو حکم بنایا گیا ہے یعنی فیصلہ عرف کے مطابق ہوگا ☆

۱۶۔ ترمذی ابواب الزکوۃ باب ماجاء ان الصدقۃ توخذ من الاغنیاء وترد علی الفقراء۔

۱۷۔ س مضمون کی متعدد احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہیں، ملاحظہ ہو صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ باب الصدقۃ قبل الرد، صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب کل نوع من المعروف صدقۃ

۱۸۔ کتاب الاموال ص ۴۴۱

۱۹۔ الاستخراج لاحکام الخراج، ص ۱۱۸

فقہ المعاملات پر اردو میں ایک نئی کتاب

قاضی القضاۃ حضرت امام

قاضی ابو یوسف کے معاشی فیصلے

تحریر سید محمد ضیاء محی الدین گیلانی

ملنے کا پتہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور......کراچی

نیا اسلامی سال مبارک ہو

☆ الضرورات تبیح المحظورات ☆ ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں ☆